Tauseeq, Volume. 2, Issue. 1
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v2i1.17

Received: 15-03-2021
Accepted: 26-03-2021
Published: 30-06-2021

# یوسفی کی شخصیت نگاری

## (Yousefi's Characterization)

ڈاکٹر شہلا داؤد*

نورین شفیع**

**Abstract**

Mushtaq Ahmed Yousifi holds a prominent position due to his timeless character. The world of characters he had decorated in the veil of comedy is not new but it is definitely unique. Yousifi characters are not just words scattered on the page, but characters that live in our world, throb within society, and that is why these characters will be loved by all of us. What greater success could there be for a writer than to have his characters so well-received? This is certainly a proof of Yousifi's high position.

**Keywords:** Time less characters, comedy, unique way, Youseli characterizations

اداس اور سانحات سے نبرد آزما قوموں میں مزاح کو سمجھنے، برتنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت عموماً کم اور طنز کا عنصر بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یوسفی صاحب نے مزاح اور خالص مزاح کو جس بلندی پر پہنچا دیا ہے وہ قاری کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر کر اس کے دل کی کلی کھلا دیتا ہے اور اگر کہیں پہ طنز ہے بھی تو وہ مرہم کی طرح ہے۔ یوسفی صاحب کا شمار بیسویں صدی کے ان لکھاریوں میں ہوتا ہے جو اپنے اسلوب، نثر نگاری اور مزاح نگاری کے بدولت ادب کے آسمان پر ہمیشہ روشن ستارہ بن کر چمکتے رہیں گے۔ انہوں نے ادب پر گہرے اور پائدار نقوش چھوڑے ہیں۔ انہوں نے معاشرے کے طرز احساس کی تشکیل

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف پشاور

**۔ لیکچرار سٹی ڈسٹرکٹ کالج برائے خواتین پشاور

اور ذہن سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ یوں تو وہ مزاح نگار ہیں مگر ان کو محض مزاح نگار سمجھنا ان کے ادبی منصب کی توہین ہے، یہ ان کے صحیح مقام کا تعین نہیں۔ انہوں نے مزاح کے پردے میں معاشرتی مسائل اور افراد کے مزاجوں کا جس انداز میں تجزیہ کیا ہے وہ ان کی گہری بصیرت اور دانشمندی کا مظہر ہے انہوں نے افراد کو جس طرح معاشرے کا نمائندہ بنا کے پیش کیا ہے وہ ان کی مزاج دانی اور نفسیات دانی کو ظاہر کرتا ہے۔ معاشرے کی یہ جیتی جاگتی تصویریں، وہ افکار ہیں جن میں ایک پوری تہذیب کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ان کے مشاہدے کی گہرائی نے ان کے خاکوں میں زندگی کے رنگ بھر دیئے ہیں ماضی کی یادوں میں گندھے ہوئے ان خاکوں کے یہ کردار جن پکے رنگوں سے یوسفی نے جمائے ہیں وہ انمٹ ہیں۔ ان کرداروں کی سچائی اتنی واضح ہے کہ ان کو فکشن کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہی نہیں انہوں نے یہ کردار زندگی کے عام راستوں سے منتخب کیے ہیں۔ یہ ہمارے، آپ کے مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہیں لہٰذہ ہمیں ان کرداروں سے ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ ان کے پردے میں یوسفی نے فطرت کی عکاسی کی ہے وہ ان کے ساتھ ہر پل، ہر لمحہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ ان میں انسانی جذبوں اور رشتوں کا مان ہے۔

چونکہ یوسفی صاحب بنیادی طور پر ایک فلسفیانہ ذہن رکھتے ہیں لہٰذہ انہوں نے انسانی نفسیات کی گرہیں خوشگوار انداز میں کھولی ہیں اس میں حقائق کی تلخی ایسے زائل ہو جاتی ہے کہ یوسفی کا کاٹا سوتے میں بھی مسکرا اٹھتا ہے۔

مرزا عبدالودود بیگ، قاضی عبدالقدوس ایم اے۔ بی ٹی، گولڈ میڈلسٹ جو بالالتزام گولڈ میڈلسٹ کے نیچے احتیاطاً خط کھینچ دیتے تھے کہ بندہ بشر ہے مبادا نظر چوک جائے۔ دراصل پروفیسر عبدالقدوس اور مرزا یوسفی کے ہمزاد کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ حسب ضرورت ان دونوں کو اپنے خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں مگر ہمزاد بنا کر کبھی خود پر حاوی نہیں ہونے دیتے بلکہ جو بات خود نہیں کہنا چاہتے وہ ان کرداروں کے ذریعے کہلوا دیتے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر اسلم فرخی کہتے ہیں۔

> "یوسفی اپنے مزاح کے لیے بالعموم کرداروں کی بیساکھیوں کا سہارا لینے کے عادی ہیں اور ان کے بغیر آگے بڑھنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن ہم ان کرداروں پر اس لیے ہنستے ہیں کہ ان کی لچک ایک میکانکی عمل میں تبدیل ہو گئی ہے۔ "صبغے اینڈ سنز" میں یہ میکانکی عمل مرزا اور پروفیسر عبدالقدوس کے مقابلے میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ مرزا اور پروفیسر عبدالقدوس یوسفی کے دہ ایسے کردار ہیں جن میں خوجی اور حاجی بغلول کی سی شدت یا چچا چھکن کا سا نیم مضحک انداز تو نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یہ دونوں انسان اور معاشرے کی مستقل حماقتوں اور عالم گیر ناہمواریوں کی علامت بن کر ہمارے اعصاب پر اس طرح چھا گئے ہیں جس طرح یوسفی نے انہیں اپنے خانہ دل کا مکین بنایا ہے۔"(۱)

پروفیسر قاضی عبدالقدوس بقراطی قسم کا کردار ہے جو اکثر مرزا کی طرح یوسفی کے ہمزاد کا کردار ادا کرتا ہے اور ان دو کرداروں کے پردے میں یوسفی گفتنی و ناگفتنی سب کہہ جاتے ہیں۔ یہ دونوں نہ بھولنے والے کردار ہیں مرزا ایک چوکس نقاد کی طرح یوسفی کے شانہ بشانہ چلتا ہے یہ بہت مہذب، قد آور اور نستعلیق کردار ہے اور ان کی تحریروں میں بڑے کام کی چیز ہے۔ اس کردار کے بارے میں ڈاکٹر احسن فاروقی کہتے ہیں۔

> "ویسے ان کے مضامین میں ایک مرزا عبدالودود بیگ بھی کسی مضمون میں جیسے "یادش بخیریا" یا "موذی" میں سارے مضمون کی جان ہے۔ یہ کہیں کہیں آ ٹپکتا ہے مگر یہ کردار بالکل ہماری روایت اور یوسفی کے تجربے کی چیز ہے۔ وہ حماقتیں جو ہمارے معاشرے کی حقیقتیں ہیں اس کے اندر اسی استقلال سے موجود ہیں جیسی کہ معاشرے میں ملتی ہیں۔ کہیں کہیں اس کی کردار نگاری میں مبالغے سے بھی کام لیا گیا ہے مگر یہ مبالغہ دور از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔"(۲)

یوسفی کے یہاں کرداروں کی تکرار نہیں ہر کردار اپنی جگہ انجمن ہے۔ ان میں انفرادیت کے ساتھ ساتھ شخصیت کی ایک اٹھان نظر آتی ہے۔ انہوں نے ان کرداروں کے ذریعے لفظی مناسبتوں کی پھلجھڑیاں چھوڑی ہیں۔ اس سے مزاح نگاری اور فلسفیانہ مزاج پرسی کا ایک نیا ڈھنگ سامنے آتا ہے۔

انہوں نے معاشرتی ناہمواریوں، ناانصافیوں، مصائب، مسائل، محرومیوں، استحصال، اضمحلال اور ابتذال کو سمجھا ہے اور ان کا بیان ایسے انداز میں کیا ہے کہ اس سارے بیانیے میں طنز کی تلخی کریلے کی تلخی جیسی ہے، نیم کی تلخی جیسی نہیں یعنی مرغوب و مطلوب تلخی ہے ناقابل برداشت نہیں۔ ان کرداروں کے پردے میں ہمارے معاشرے کے مرقعے ہیں۔ اس تلخ زندگی کے تلخ حقائق ہیں جو مزاح کی چاشنی میں ڈوب کے قابل برداشت ہو گئے ہیں۔ انہوں نے "زرگزشت" میں ہر طرح کے کرداروں کو پیش کیا ہے۔ معصوم، شرارتی، اچھے برے، پڑھے لکھے، ان پڑھ، جاہل اور سمجھ دار۔ یوسفی ان سے پیار کرتے ہیں اور ان کو اہمیت دیتے ہیں انہوں نے اپنے کرداروں کی خوبیوں اور خامیوں کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھا بلکہ وہ جیسے بھی ہیں ان کی تمام تر خوبیوں، خامیوں اور کجیوں کو ایک اکائی کی صورت میں لیا ہے۔ اور قارئین کو اس میں شریک کیا ہے اور یہی ان کی کامیابی ہے

اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے کچھ بہت ہی یادگار اور ناقابل فراموش تخلیقات پیش کیں اور ان تخلیقات میں کچھ ایسے کردار پیش کیے کہ جو امر ہو گئے۔ ان میں سے کچھ کردار تو ان کی زندگی سے بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں اور کچھ کردار

تاریخ کے صفحات سے اٹھ کر ان کے صفحات پر اپنے رنگ بکھیرنے چلے آئے ہیں۔ان کے تخلیق کردہ کرداروں میں سے مرزا عبدالودود بیگ،بشارت،صبغے بھائی،اینڈرسن،قبلہ،پروفیسر عبدالقدوس ایم اے(گولڈ میڈلسٹ) اور حاجی اورنگزیب خان جو اتنے جیتے جاگتے کردار ہیں کہ لگتا ہے ان کے تمام اعمال وافعال ہماری آنکھوں کے سامنے انجام پذیر ہو رہے ہیں۔

اینڈرسن اس قدر حقیقی کردار ہے کہ فکشن بن گیا ہے۔ان کا کیری کیچر یوسفی نے اپنے وسیع مطالعے کے بطن سے برآمد کیا ہے۔اس کے پاس ناکامیاں،نامرادیاں اور محرومیاں ہیں مگر وہ الکحل اور اپنی فینٹسی کی بدولت پر امید اور خوش باش رہتے ہیں۔یہ عجیب وغریب کردار ہے۔کبھی وہ دانا نظر آتا ہے اور کبھی دوانہ۔کبھی توانا کبھی چالاک،نرم ونازک نظر آتا ہے کبھی کمزور،احمق اور کھردرا۔یہ المیہ اور طربیہ کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔اینڈرسن جب رخصت ہو رہے ہوتے ہیں تو اس کی حس مزاح،مصنوعی برہمی اور بے پناہ رحم دلی ہمیشہ کے لیے قاری کے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔یوسفی نے مختلف واقعات اور بیانات کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ یہ رند بلانوش،بسیار خور اور عیاش آدمی درحقیقت کتنا بیدار مغز،وسیع القلب اور ذہین ہے۔وہ اینڈرسن کی رخصتی کو بظاہر مزاحیہ لیکن درحقیقت بڑے دل میں اترنے والے انداز میں بیان کرتے ہیں۔چیف اکاؤنٹنٹ یعسوب الحسن غوری ایک اور دلچسپ کردار ہے جو قدم قدم پر یوسفی کی رہنمائی کرتا ہے۔

یعسوب الحسن اینڈرسن کے سامنے عزت برقرار رکھنے کے لیے ہتھیلی پہ کاپینگ پینسل سے سارا حساب کتاب لکھ کر لے جاتے اور اینڈرسن کی نظریں جس طرح اس کی اس حرکت کو پکڑتی ہے۔یوسفی نے انتہائی دلچسپ انداز میں بتایا ہے یعسوب الحسن صحیح معنوں میں ایک بینکار ہیں۔مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں۔

> "زرگزشت کے تین اہم کردار کراچی،اینڈرسن اور یوسفی۔کراچی کو کائنات،اینڈرسن کو صفات اور یوسفی کو ذات سمجھ لیجیے"۔(۳)

یوسفی کے تقریباً تمام کردار معاشرے کے عام افراد ہیں،لیکن ان میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی انفرادیت کے ساتھ ساتھ شخصیت کا ایک مخصوص رنگ رکھتے ہیں۔ان کے کچھ کردار ماضی تمنائی میں ڈوبے ہوئے ہیں جیسے کہ عباد الرحمٰن قالب،آغا تلامیذ الرحمٰن چاکسوی،بشارت والد بزرگوار۔قبلہ خسر صاحب بشیر وغیرہ۔دوسری قسم ان کرداروں کی ہے جو تیز طرار اور چالاک ہیں جیسے نور الحسن شیخ،لطیفی،مولی محبن،تیسری قسم یعسوب الحسن غوری،اینڈرسن وغیرہ۔پانچویں قسم جھکی اور کج بحثی

کرنے والے دو مشہور کردار جو یوسفی کے ہمزاد بن جاتے ہیں، مرزا عبدالودود بیگ اور پروفیسر عبدالقدوس۔ ان کرداروں میں غیر اہم کوئی بھی نہیں ہے۔ ہر کردار اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینے کے جیسا ہے۔

"زرگزشت" کے بارے میں ڈاکٹر فوزیہ چودھری کہتی ہیں۔

> "یوسفی کے ہاں خاکہ نگاری اور کردار نگاری کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ خاص طور پر زرگزشت میں بعض بہت خوبصورت شخصی خاکے موجود ہیں اور کچھ زندہ کرداروں سے بھی ہماری ملاقات ہوتی ہے۔ وہ جن لوگوں سے ملے ہیں یا جن لوگوں کے ساتھ یوسفی کو کام کرنے کا موقع ملا ہے یا وہ کسی حیثیت سے یوسفی کی زندگی میں آئے ہیں۔"(۴)

ان کے علاوہ بھی انہوں نے بعض زندہ جاوید اور خوبصورت کردار تخلیق کیے ہیں جو اردو مزاح نگاری کی تاریخ میں امر ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ کردار اچھے ہیں کچھ برے، مگر یوسفی کے قلم نے ان کو مخصوص اسلوب میں ڈھال کر ان کو ایک خاص مقام دیا ہے۔ یوسفی کے قلم نے ان کو لافانی بنا دیا ہے۔ حاجی اور نگزیب خان، مسٹر اینڈرسن، مرزا اور بشارت کو کون بھول سکتا ہے۔ یوسفی کے جادوئی قلم نے ان کو ایسے لکھا اور تراشا ہے کہ یہ کردار جیتے جاگتے اور ہنستے بولتے ہمارے سامنے آجاتے ہیں ۔ یہ اگر حاجی اور نگزیب خان ہیں تو یوسفی نے ان کو ایک آئرونی کی شکل میں، ان کی ایک خاصیت کو پیش کیا ہے کہ جیسے ان کو گالیاں دینے کا بہت شوق ہے مگر چونکہ بہت مذہبی آدمی ہیں لہٰذہ ان مغلظات کی ادائیگی میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ جملہ مزاحیہ اردو ادب کا یادگار جملہ بن گیا کہ "پشتو میں اس کے لیے بہت برا لفظ ہے"۔ یوں حاجی اور نگزیب خان کا کردار سٹینو ٹائپ کردار بن گیا ہے۔ ان کے اس قسم کے کردار نگاری کے بارے میں سلیم صدیقی کہتے ہیں۔

> "طنزیہ ادب میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ آرائی اور بے محل انمل بے جوڑ شے یا واقعات کے استعمال کا رواج ہمیں اکثر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس طرح ہم مطلق حقیقتوں کے بیان سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادیب اکثر اپنی تحریر میں سٹینو ٹائپ یا گھسی پٹی اور لگی بندھی لفظیات اور کلیشے کے استعمال پر اتر آتا ہے۔ نسیم حجازی نے "کامریڈ" اور یوسفی نے "پٹھان" کے سٹینو ٹائپس اس سلسلے میں استعمال کیے۔ یوسفی نے یوں پٹھانوں کی اس شجاعت اور انتقامی جذبے کو مزاحیہ رنگ میں پیش کیا ہے جس میں ان کو اپنی مردانگی کے ثبوت کے لیے اپنے دشمنوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔"(۵)

حاجی اور نگزیب خان "آب گم" میں کہتے نظر آتے ہیں۔

"یوں میرا داد ابڑا اجلالی تھا اس نے چھ خون کیے اور چھ ہی حج کیے پھر قتل سے توبہ کرلی کہتا تھا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں بار بار حج نہیں ہوتا۔ وہ پچانوے سال کی عمر میں برضا و رغبت فوت ہوا۔ جب تک آخری دشمن فوت نہیں ہوا اس نے خود کو فوت نہیں ہونے دیا۔"(۶)

حاجی اور نگزیب خان کا کردار آب گم کی جان ہے جن کا تکیہ کلام ہے "پشتو میں اس کے لیے بہت برا لفظ ہے" بشارت سے ان کی لڑائی جھگڑے اور درپردہ محبتیں قابل رشک اور اپنی مثال آپ ہی۔ ان دونوں میں لافانی محبت ہے۔ دونوں کے درمیان جھگڑا عمارتی لکڑی بہ عجلت فروخت کرنے اور اس کی قیمت کی ادائیگی پر ہے۔ دن بھر دونوں اس مسئلے پر لڑتے رہتے ہیں اور شام کو بشارت کے ساتھ اس کے گھر آکر محفل جماتے ہیں اور وہاں ان کی ایسی خاطر مدارات ہوتی ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

حاجی اور نگزیب خان کا کردار طنز و مزاح کا ایک سرمایہ ساتھ لے کر آئے ہیں۔ ان کا پٹھان پس منظر، بندوق و گولی کا ذکر اور مختلف مواقع پر پشتو میں برے الفاظ کی دھمکی اس کردار کو منفرد اور خوبصورت بناتے ہیں۔ انسانی ہمدردی اور دوست داری کا سلیقہ اس کردار کو جو انفرادیت بخشتا ہے وہ لازوال ہے۔ یوسفی کے تین کردار قبلہ، مولانا عاصی بھکشو اور حاجی اور نگزیب خان میں ایک قدر مشترک ہے کہ تینوں نے زندگی گزارنے کے لیے یہ راستہ خود چنا اور تینوں مرتے مر گئے مگر اس راستے سے نہیں ہٹے بلکہ ایک انچ بھی نہیں سرکے۔ ان سارے کرداروں سے مصنف کو ہمدردی ہے اور قاری کے دل کے تار بھی چھیڑتے نظر آتے ہیں،۔ حاجی اور نگزیب خان کی وفات پر مصنف کے الفاظ ہی نہیں روتے بلکہ قاری کے لیے بھی اپنے آنسوؤں پہ قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تک جو کردار ہنسا رہا تھا وہی اب رلا رہا ہے۔ اس سے زیادہ کسی مصنف کی کامیاب کردار نگاری کی مثال کیا ہو سکتی ہے۔ یہ درد انگیز اور حیرت انگیز انجام حقیقت سے قریب تر اور بہترین ہے۔ یوسفی کے ان کرداروں کا ناسٹلجک ہونا صحت مند بھی ہے اور عبرت آموز بھی۔ یہ سارے کردار ماضی کا ایک خوشگوار جھونکا ہے۔ یہ کردار ماضی پرست ہونے کے باوجود زندہ و متحرک ہیں اگرچہ کچھ کرداروں کی ناسٹلجیا سے دردمندی اور محرومی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

جیسے بشارت کا خسر جو لکڑیاں بیچتا ہے زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہے مگر اسے پھر بھی اپنی کھوئی ہوئی حویلی نہیں بھولتی جسے وہ اپنے آبائی وطن میں چھوڑ کے آیا ہے۔ یہاں یوسفی کی مزاح کی تان اس ایک غم انگیز جملے پہ آ کے ٹوٹ جاتی ہے کہ "یہ چھوڑ کے آیا ہوں"۔ اس ایک جملے کی تکرار نے ان تمام دلوں کے احساسات کی ترجمانی کی ہے جو آج بھی ماضی کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ جہاں جہاں اس جملے کو دہرایا گیا ہے وہاں مضحک سے مضحک صورتحال میں بھی درد انگیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

یوسفی کے ان کرداروں کے بارے میں نعیم بیگ رقم طراز ہیں۔

"آپ نے "آب گم" کے کرداروں کو زندگی کے ان منفرد راہوں سے منتخب کیا ہے جو ہر جگہ، ہر وقت اور ہر لمحہ آپ کے وجود کا حصہ بنے رہتے ہیں۔ آپ فطرت کی عکاسی جذبات کی حدت سے اپنے کرداروں میں کرتے ہیں۔ آپ کا فکری استغراق بالکل منفرد ہے بظاہر آپ لفظوں سے اپنے رشتے جوڑتے ہیں لیکن درحقیقت انہی الفاظ کے طلسم سے یوسفی ساحب اپنے اندر کے وجدان کو ایک پروگریسیو سمت دیتے ہیں۔ وہ انسان کو کم تر نہیں سمجھتے بلکہ اگر ایسا ہو تو اس کے ساتھ خود کھڑے ہو کر انسانی جذبوں اور رشتوں کا مان رکھ لیتے ہیں۔"(۷)

بشارت پر بھی جب ناسٹلجیا کا دورہ پڑتا ہے تو وہ مجبور ہو کر کانپور چلے جاتے ہیں۔ پرانے دوستوں اور گلی کوچوں سے مل کر کل اور آج کو باہم مقابل کر کے جب بشارت مایوس ہو جاتے ہیں تو واپس لوٹ آتے ہیں۔ سکول ماسٹر کا خواب زندگی کی تلخ سچائیوں میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ آج کی حقیقتیں کل کے خوابوں کا ساتھ نہیں دے پاتیں۔

"آب گم" بطور خاص کرداروں سے سجا ایک ایسا مرقع ہے جو رعنائی اور دلکشی کی عام تعریفوں سے ماورا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ملنے کے لیے کسی خاص مقام اور وقت کی ضرورت نہیں۔ یہ عام سے لوگ ہیں جو ہماری زندگیوں میں دخل رکھتے ہیں اور ہم ان کو نظر انداز کر کے گزر جاتے ہیں۔ مگر یوسفی ایسا نہیں کر پائے، وہ رکے، انہوں نے ایک ایک کردار کو انتہائی شفقت آمیز محبت سے دیکھا اور سینے سے لگا لیا اور پھر جب ہم سے متعارف کرایا تو ہم ان کے اندر کے انسانوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے یہ بظاہر عام سے انسان، کہیں بہت اہم معاشرتی حیثیت پہ فائز نہ ہونے کے باوجود ایک انفرادی مہک اور دل آویزی رکھتے ہیں جس سے اپنے ارد گرد کے ماحول کو معطر اور رنگین بنائے ہوئے ہیں۔ "آب گم" کے کرداروں کی ایک اور خصوصیت ان کا ناسٹلجیا ہے وہ مڑ مڑ کر ماضی کی طرف دیکھتے ہیں، جس میں ان کے ارمانوں کا خون ہے۔ یوسفی نے اس کو ماضی تمنائی کہا ہے۔

ماضی تمنائی دراصل ہمارا انفرادی نہیں اجتماعی مسئلہ ہے حال میں ملنے والی ٹھوکریں ہمیں ماضی پرست بنا دیتی ہیں ہم ااجتماعی طور پر فراریت پسند ہو گئے ہیں اور یہ ہمارا اجتماعی رویہ بن گیا ہے۔ اس لیے مرکزی کردار بشارت، اس کے والد، اس کے سسر سب ماضی پرست بن گئے ہیں۔ انہوں نے اس ماضی کو اوڑھ لیا ہے جس کے ہیرو بھی وہ خود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زندگی میں ان کے پاس کوئی مقصد نہیں رہا۔ اگر والد بزرگوار ہیں تو بڑھاپے نے ان کو حال میں مفلوج کر دیا ہے۔ ان کے لیے زندگی کے رنگ پھیکے پڑ گئے ہیں۔ تنہائی ان کا مقدر ہے، زندگی کا کوئی مقصد ہے نہ منزل، اس بات نے ان کو اداس اور ملول کر دیا ہے۔ اس کے برعکس ماضی پر نظر دوڑاتے ہیں تو وہاں رنگینی بھی ہے اور سہانے سپنوں کے رومانس بھی۔ چنانچہ تنہائی کی اذیت کم

کرنے کے لیے وہ ماضی میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ کم، و بیش یہی مسئلہ سسر صاحب کا بھی ہے، بشارت بھی ماضی پرست ہیں، کانپور کی گلی کوچوں میں پھرنا بھی ماضی کی بازیافت ہے۔ ماضی کی گلیوں کی یہ سیر اس کے لیے تسکین کا باعث ہے۔ آغا تلامیذ الرحمان کے ناسٹلجیائی ہونق پن کا جو نقشہ یوسفی نے کھینچا ہے وہ ان کے کردار کو ہنستا کھیلتا، جیتا جاگتا صاف دکھا دیتا ہے۔ اس کردار کی تخلیق میں یوسفی کا قلم یوں طرارے بھرتا ہے کہ آغا صاحب کی شیفتگی اور فرسودگی سے ڈھکی ہوئی قدامت زدہ شخصیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہتی۔ اسی طرح ملا عاصی بھکشو دو عقیدوں کے درمیان جھولتا ہوا وہ کردار ہے جسے کسی ایک راستے کا تعین مشکل لگ رہا ہے۔ ایک طرف وہ قرآنی آیات کے حوالے دیتا رہتا ہے اور دوسری طرف نروان اور بدھ ازم کی باتیں کرتا ہے۔ کبھی فارسی سے لبریز جملے بولتا ہے اور کبھی ہندی آمیز گفتگو کرتا ہے۔ یوسفی کا یہ کردار ان کے باقی کرداروں سے مختلف ہے۔ وہ نہ تو جذباتی ہے اور نہ ہی ماضی پرست، نہ مستقبل کے بڑے بڑے خواب دیکھتا ہے۔ عجیب مجموعہ اضداد ہے اور یہی اس کی انفرادیت اور دلکشی کا باعث ہے۔ یہ کردار عمر کے اس دور میں ہے جس سے گزرتے دوسرے کردار تو ماضی پرست ہو گئے ہیں مگر یہ حال میں مست مگن ہے۔ ملا عاصی جو ملا بھکشو بھی کہلاتا ہے مگر چوری چھپے نماز بھی پڑھتا ہے۔ ملا عاصی عبد المنان نہ تو ماضی کو مسئلہ سمجھتے ہیں نہ زندگی کو۔ وہ زندگی سے بڑی بڑی توقعات وابستہ نہیں کرتے لیکن آدم بیزار اور مایوس بھی نہیں۔ ایک عجیب عالم سرمستی میں بس جیے چلے جاتے ہیں۔ قلندرانہ شان کے حامل یہ کردار ہمیں آج سے تیس پینتیس سال پہلے نظر آجاتے تھے مگر اب ناپید ہوتے جارہے ہیں اور آج زمانے کی اس قیامت خیز تیز رفتاری میں گم ہوتے یہ کردار یوسفی نے نقش دیوار بننے سے پہلے نقش قرطاس کر دیئے ہیں۔

دراصل یہ سارے کردار بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ یہ ماضی کے اوراق میں سرگرداں ہیں مگر ان کا ونڈر لینڈ گم ہو چکا ہے اور یہ سارے کردار بھی حال کے پردہ سیمیں پر تبسم بکھیرتے ہوئے ماضی میں گم ہو جاتے ہیں۔ یہ روزمرہ زندگی کے سادہ اور معصوم کردار ہیں جو ہمارے چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ یوسفی نے ان عام کرداروں کے تمام تر انسانی اوصاف کو ان کی بلندی اور پستی کے ساتھ نہایت دروبینی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی امیدوں، خواہشوں اور تمناؤں میں الجھے ہوئے یہ کردار زندگی کے سرد و گرم کو گوارا بنانے کے لیے اور زندگی کی ہوسناکیوں کو ختم کرنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرنے میں مصروف ہیں۔

ان رنگارنگ کرداروں کے بیچ یوسفی کا اپنا کردار، ان کی تحریروں میں زیر سطح ہر جگہ موجود رہتا ہے لیکن اگر آپ بطور خاص ان کے کردار کو ڈھونڈنا چاہیں تو یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا مگر محسوس آپ کو ہر سطر میں ہوتا رہے گا۔ آپ اس کو الگ سے

کہیں دیکھ نہیں سکتے مگر اس کی نظر ہر ایک پر ہوتی ہے۔ سلیمانی ٹوپی پہن کر اس کی نظر معاشرے کے ہر فرد پہ ہے۔ یہ ان کا کمال ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کو کہیں نمایاں نہیں ہونے دیا مگر ہر اس چیز کو نمایاں کیا ہے جو ان کی ذات سے وابستہ ہے۔ ان رنگا رنگ تصویروں میں ان کی اپنی تصویر کہیں واضح اور کہیں پہ غیر واضح سی اپنی جھلک ضرور دکھاتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں پروفیسر حق نواز کہتے ہیں۔

> "وہ اپنے مضامین میں رشید احمد صدیقی کی طرح کرداروں کا ایک نگار خانہ پیش کرتے ہیں جس کی ہر تصویر بڑی چابکدستی سے برش کے چند شوخ اور گہرے چھینٹوں سے مکمل کی گئی ہے وہ ایک ماہر کارٹونسٹ کی طرح کارٹون کے نیچے اپنا نام لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن ہم جس طرح نام نہ ہونے کے باوجود کارٹون کی شخصیت یا شخصیتوں کو فوراً پہچان لیتے ہیں اس طرح ان کے کرداروں کے نام یا مقام فرضی ہونے کے باوجود فرضی نہیں۔ جانے پہچانے محسوس ہوتے ہیں"۔(۸)

یوسفی کی فن کردار نگاری کی خوبی یہ ہے کہ وہ قاری کے ذہن و شعور میں رچ بس جاتے ہیں اور وہ خود کو ان کے درمیان محسوس کرتے ہیں۔ ان کرداروں سے مصنف کو ہی نہیں قاری کو بھی ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خاکے بے شک تصوراتی ہیں مگر یوسفی نے ان کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر، خاکم بدہن مشمولہ مشتاق احمد یوسفی چراغ تلے سے آب گم تک: مرتبہ طارق حبیب، الحمد پبلی کیشنز لاہور، مارچ ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۲

۲۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، اردو ادب بیسویں صدی میں، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۶۰

۳۔ مجتبیٰ حسین، پروفیسر، زرگزشت ادارہ ادبیات اردو لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۹

۴۔ فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، نقد ظرافت، پولیمر پبلی کیشنز لاہور، مارچ ۱۹۹۸ء، ص ۱۵۱

۵۔ سلیم صدیقی، اردو طنز و مزاح نگاری کی تاریخ کے تناظر میں مشمولہ اجرا، فضل پرنٹرز، کراچی، ص ۹۲

۶۔ مشتاق احمد یوسفی، گھوڑا، غلیل اور انکسار مشمولہ آب گم، مکتبہ دانیال کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۱۶

۷۔ نعیم بیگ، مشتاق احمد یوسفی مزاح کے سنگھاسن پر مشمولہ اجرا، کتابی سلسلہ نمبر ۷ یوسفی نمبر، ص ۴۸

۸۔ حق نواز، یوسفی ایک مزاح نگار مشمولہ یوسفی چراغ تلے سے آب گم تک، مرتبہ حق نواز مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۶۰

## References


1. Aslam Farkhi , Dr, Khakm Bdhn mashmoola Mushtaq Ahmed Yosfi chairag taley se aabb gum tak : martaba tarek habib, alhmd pbli kishnz Lahore , March, 1997, p. 122
2. Ahsen Farooqi , Dr, Urdu Adab Beeswin Sadi Mein, Maqbool academy Lahore, 1988, S 60
3. Mujtaba Hussain , professor, Zargashat idaara adbiyat urdu Lahore, 2000, p. 139
4. Fozia Choudhri, Dr, Naqad Zarafat, Pulimer publication Lahore , March 1998, p. 151
5. Saleem Siddiqui, Urdu Tanz O Mazah Nigari Ki Tareekh ke tanazur mein mashmoola ijra, fazl printers, Karachi, p.92
6. MUSHTAQ AHMED YOSFI, GHORA, GHULAIL AUR INKISAR Mashmoola aabb gum, maktaba Danyal Karachi , 2005, p. 214
7. NAEEM BAG, MUSHTAQ AHMED Yosfi Mazah Ke Sunghasan par Mashmoola ijra, kitabi silsila number 27 yosfi p.68
8. HAQ NAWAZ , YOSFI AIK MAZAH NIGAAR Mashmoola yosfi chairag taley se aabb gum tak, martaba haq Nawaz Maqbool Academy, Lahore, 1988, p.60